Open Access

Al-Irfan(*Research Journal of Islamic Studies*)

Published by: *Faculty of Islamic Studies & Shariah*
Minhaj University Lahore

ISSN: *2518-9794 (Print), 2788-4066 (Online)*

Volume 10, Issue 19, Jan-June 2025,

Email: alirfan@mul.edu.pk

راہ سلوک وتصوف کے بنیادی اصول وضوابط کا ایک تجزیاتی مطالعہ

The Core Principles and Rules of Mysticism and Spiritual Journey: An Analytical Exploration

Hassan Fareed Chishti

MPhil Scholar (Islamic studies), The University of Faisalabad

sahibdin08454@gmail.com

Dr. Hifsa Munawar (Corresponding Author)

Assistant professor, Department of Islamic Studies. The University of Faisalabad

Hifsamunawar.ias@tuf.edu.pk

ABSTRACT

This dissertation presents an analytical study of the spiritual journey in Sufism, focusing on the path from self-realization to God-realization. It explores the core principles of Tasawwuf (Islamic mysticism), emphasizing the inner transformation of the soul through self-awareness, purification, and devotion. The research highlights how Sufism guides individuals to recognize their true selves, which leads to a deeper connection with the Divine. Through an in-depth analysis of Sufi teachings, practices, and the experiences of notable Sufi saints, the study demonstrates how self-knowledge serves as the foundation for attaining spiritual closeness to God. The work contributes to a broader understanding of spirituality in Islam and emphasizes the relevance of Sufi thought in modern times.

Keywords:

Sufism, Self-Realization, God-Realization, Spiritual Journey, Islamic Mysticism.

لغوی معنی

خود شناسی:

"خود" بمعنی "اپنا آپ" + "شناسی" بمعنی "پہچان، معرفت"
مطلب: اپنی ذات کی پہچان، اپنے نفس یا حقیقت کو جاننے کا عمل۔[1]

خود شناسی کا مفہوم:

خود شناسی کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اپنی اصل، حقیقت، فطرت، اور مقصدِ زندگی کو پہچانے۔ یہ عمل انسان کے باطن میں جھانکنے، اپنی خوبیوں اور خامیوں کو سمجھنے، اور اپنی روحانی حیثیت کو جاننے سے متعلق ہے۔ خود شناسی، انسانی شعور کی وہ ابتدائی سیڑھی ہے جس پر قدم رکھے بغیر خدا شناسی کی بلند چوٹی تک رسائی ممکن نہیں۔ یہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں جھانکنے سے انسان اپنی حقیقت، کمزوریوں، صلاحیتوں اور مقصدِ حیات کو پہچانتا ہے، اور یہی پہچان اسے خالقِ کائنات کی معرفت کی طرف لے جاتی ہے۔ خود کو جاننا، دراصل اس ذات کو جاننے کی تمہید ہے جس نے انسان کو تخلیق کیا۔ جب انسان اپنے باطن کے پردے ہٹا کر دل کی آنکھ سے دیکھنا سیکھتا ہے، تو ہر سمت میں اسے ربّ کی جلوہ گری نظر آنے لگتی ہے۔ صوفیا کرام اور اہلِ باطن ہمیشہ اس بات پر زور دیتے آئے ہیں کہ جب تک بندہ اپنے نفس کی معرفت حاصل نہیں کرتا، وہ معرفتِ الٰہی کی راہوں پر قدم نہیں رکھ سکتا۔ لہٰذا خود شناسی محض ایک فکری عمل نہیں، بلکہ روحانی بلندیوں تک پہنچنے کا پہلا اور لازمی زینہ ہے۔ یہ ایک داخلی سفر ہے جو بندے کو بندگی کے رازوں سے روشناس کراتا ہے اور حقیقت کے اُن دریچوں کو کھولتا ہے جہاں سے خدا شناسی کی روشنی پھوٹتی ہے۔

ضرورت واہمیت:

"من عرف نفسه فقد عرف ربه"[2]

انسان کے باطن کی حقیقت کی گہرائیوں کو سمجھنے کا راز بیان کرتی ہے۔ اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ جو شخص اپنے نفس کو پہچانتا ہے، وہ حقیقت میں اللہ کی معرفت تک پہنچنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ خود شناسی محض اپنی ذات کو سمجھنے کا عمل نہیں، بلکہ یہ انسان کو اس کے خالق کے قریب لے آنے والا اہم ترین راستہ ہے۔ جب انسان اپنے نفس کی حقیقت کو

---

(1) مولوی سید احمد دہلوی، (۱۹۰۸)، فرہنگِ آصفیہ، مطبع مجتبائی، دہلی، ۳۴۵/۲

(2) امام، فخر الدین رازی، التفسیر الکبر، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۲۱/۳۰ ۷

جانتا ہے، تو وہ اپنے اندر چھپے ہوئے عیوب، خامیوں اور صلاحیتوں کا ادراک کرتا ہے۔ اس عمل کے ذریعے انسان اپنی روحانی ترقی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے، اور اس کے دل میں خدا کی عظمت اور حکمت کا شعور بیدار ہوتا ہے۔ اس حدیث کی روشنی میں، خود شناسی کو اہمیت دینے کا مقصد صرف اپنی ذاتی حیثیت کو جاننا نہیں، بلکہ اللہ کی رضا اور قرب کے راستے کو سمجھنا ہے۔ یہی وہ راستہ ہے جو انسان کو دنیا و آخرت کی کامیابی کی طرف لے جاتا ہے۔ حضرت علیؓ کا بھی قول ہے کہ "خود کو جان، تب تُو ساری کائنات کو جان لے گا"، اور یہی بات اس حدیث میں بھی واضح کی گئی ہے کہ اللہ کی معرفت کا پہلا قدم انسان کے اپنے نفس کی معرفت میں چھپا ہوا ہے۔ اس لیے خود شناسی کو صرف ایک فکری عمل نہیں، بلکہ ایک روحانی فریضہ سمجھا جانا چاہیے، جو انسان کو اس کی اصل حقیقت اور اس کے خالق کے قریب لے آتا ہے۔

حضرت خواجہ پیر ثناء محمد چشتی رحمتہ اللہ علیہ کا ایک شعر ہے آپ رحمتہ للہ علیہ فرماتے ہیں:

ثناء محمد "من عرف نوں پڑھ

تے سوچ تے ڈھونڈھ خُدانوں

نہ کر سجدہ غیر خُدانوں

آپے اپنا رکھ دھیان

راہِ تصوف: دل کی وادیوں میں روحانی جستجو

تصوف کی تعریف

تصوف عربی لفظ "صُوف" سے نکلا ہے جس کے معنٰی اون (صوفی لباس) کے ہیں، اور اصطلاحاً یہ باطنی طہارت، نفس کی اصلاح اور قربِ الٰہی کے حصول کا نام ہے۔

امام غزالی نے تصوف کو "اللہ کی معرفت حاصل کرنے اور اس کی رضا کے لیے زندگی گزارنے کا عمل" کہا ہے۔ ''(1)

حضرت ابو الحسن نوری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

التَّصَوُّفُ تَرْكُ كُلِّ حَظٍّ لِلنَّفْسِ

تصوف نام ہے تمام حظوظ نفسانیہ کا ترک''(2)

(1) امام غزالی، امام محمد بن محمد بن محمد الغزالی، (۱۹۸۰)، احیاء العلوم، دار الجیل، مصر، ۴۵/۱

(2) داتا گنج بخش، عثمان بن علی ہجویری، کشف المحجوب، لاہور، مکتبہ شمس و قمر بھاٹی چوک، ص۱۲۷

تصوف کے اصول:

اخلاص

اخلاص روحانیت کا پہلا زینہ ہے، جو عمل کو رنگ بخشتا ہے اور بندے کو ریا سے پاک کرتا ہے۔ صوفی جانتا ہے کہ اگر دل میں خود نمائی یا دکھاوے کی میل ہو، تو عبادت کا مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ اخلاص کا مطلب ہے کہ بندہ ہر عمل فقط رب کی خوشنودی کے لیے کرے، چاہے کوئی دیکھے یا نہ دیکھے۔ یہ باطنی سچائی دل کو نرم کرتی ہے اور روح کو صاف کرتی ہے۔ جس دل میں اخلاص جاگ جائے، وہ دل آئینہ بن کر اللہ کے نور کو جھلکانے لگتا ہے۔

توبہ

توبہ ایک ایسی روحانی بارش ہے جو گناہوں کی سیاہی کو دھو دیتی ہے۔ جب دل نادم ہوتا ہے اور آنکھ اشکبار، تو بندہ اپنے خالق کی طرف پلٹنے کا سچا ارادہ کرتا ہے۔ صوفی کے نزدیک توبہ صرف الفاظ نہیں بلکہ اندر کی ایک گہری کیفیت کا نام ہے۔ یہ پلٹنا صرف عمل میں نہیں بلکہ نیت، خواہش اور رویے میں بھی ہوتا ہے۔ توبہ وہ دروازہ ہے جس سے گزر کر بندہ نفس کی قید سے نکل کر روح کی آزادی کی طرف بڑھتا ہے۔

زہد

زہد دنیا سے فرار نہیں بلکہ دل کو دنیا کی محبت سے پاک کرنے کا نام ہے۔ صوفی کپڑے بدلتا ہے، گھر بناتا ہے، روزی کماتا ہے، مگر دل میں کسی شے کی محبت کو جگہ نہیں دیتا۔ وہ جانتا ہے کہ دنیا فانی ہے اور آخرت باقی، اس لیے اس کی نظر ہمیشہ ابدی حقائق پر رہتی ہے۔ زہد دل کا وہ سکون ہے جو حرص، حسد اور مقابلہ بازی کو ختم کر دیتا ہے۔ یہی زہد صوفی کو آزاد کرتا ہے اور اُسے دنیا کی زنجیروں سے نکال کر معرفت کی راہوں پر ڈال دیتا ہے۔

قناعت

قناعت وہ درویشی صفت ہے جو دل کو سیر اب کرتی ہے خواہ ظاہری طور پر کمی ہی کیوں نہ ہو۔ صوفی قناعت میں خوشی تلاش کرتا ہے اور جانتا ہے کہ جو ملا، وہ اللہ کی طرف سے ہے، اور جو نہ ملا، وہ حکمت تھی۔ قناعت انسان کو دوسروں سے مقابلے اور حرص کی آگ سے بچاتی ہے۔ اس صفت کے ذریعے بندہ ہر حال میں شکر گزار بنتا ہے اور نفس کی بے چینی سے نجات پاتا ہے۔ قناعت دراصل دل کا وہ اطمینان ہے جو رزقِ کم کو بھی نعمتِ عظیم جانتا ہے۔

رضا

رضا روحانی کمال کی وہ منزل ہے جہاں بندہ ہر حال کو اللہ کی مرضی سمجھ کر قبول کر لیتا ہے۔ صوفی نہ شکوہ کرتا ہے نہ ضد، وہ اللہ کی حکمت پر مکمل بھروسہ کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ دکھ اور سکھ، دونوں اللہ کی طرف سے ہیں، اور ہر حال میں اس کی رضا میں بھلائی چھپی ہے۔ رضا کا مطلب ہے دل میں سکون، زبان پر شکر، اور عمل میں صبر۔ جو بندہ اللہ کے فیصلوں پر راضی ہو جائے، اللہ اسے اپنی محبت کی چادر اوڑھا دیتا ہے۔

توکل

توکل وہ بلند روحانی درجہ ہے جہاں انسان اپنے تمام معاملات اللہ کے سپرد کر دیتا ہے۔ صوفی ظاہری اسباب اختیار کرتا ہے مگر دل میں بھروسہ فقط اللہ پر رکھتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کوئی بھی چیز، چاہے چھوٹی ہو یا بڑی، اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ توکل کا مطلب یہ نہیں کہ کوشش ترک کر دی جائے، بلکہ یہ ہے کہ نتیجہ صرف اللہ کی مشیت پر چھوڑ دیا جائے۔ توکل دل کو ہر خوف سے نجات دیتا ہے اور بندے کو استقامت عطا کرتا ہے۔

اذکار (ذکرالٰہی)

تصوف میں ذکرِ الٰہی وہ نورانی مشق ہے جو قلب کو زندہ کرتی ہے اور سالک کو رب کی قربت سے ہمکنار کرتی ہے۔ ذکر صرف زبان کی تکرار نہیں، بلکہ دل، روح اور وجود کی کلی وابستگی کا نام ہے۔ صوفیہ کے نزدیک ذکر ایک مسلسل روحانی رابطہ ہے جو بندے کو غفلت سے نکال کر حضوری کی کیفیت میں لے آتا ہے۔

قرآنِ کریم میں ارشادِ باری تعالٰی ہے:

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ۔(1)

سن لو! اللہ کی یاد ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں۔

صوفیائے کرام کے نزدیک ذکر محض الفاظ کی تکرار نہیں، بلکہ ایک ایسا روحانی ارتعاش ہے جو دل کے نہاں خانوں سے اٹھ کر ذاتِ الٰہی کی طرف پرواز کرتا ہے۔ ہر سالک کی روحانی کیفیت، ظرف، اور استطاعت کے مطابق، ذکر کی مختلف صورتیں تجویز کی گئی ہیں تاکہ دل آہستہ آہستہ غفلت کی نیند سے بیدار ہو کر قربِ الٰہی کی روشنی میں جھلملا اٹھے۔

---

(1) الرعد ۱۳:۲۸

ذکرِ جلی (ظاہری ذکر)

یہ وہ ذکر ہے جو بلند آواز سے، بیداری اور ہوشیاری کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اسمائے الٰہی کی گونج جب فضا میں گونجتی ہے تو وہ نہ صرف کانوں بلکہ دل کی گہرائیوں تک اثر انداز ہوتی ہے۔ حلقہ ذکر میں جب صوفی یکجہتی کے ساتھ ''اللہ، اللہ'' کی صدا بلند کرتے ہیں، تو گویا ہر زبان ایک دل اور ہر دل ایک زبان بن جاتا ہے۔ یہ ذکر دل و زبان کی ہم آہنگی کا درس دیتا ہے اور روح کو اجتماعیت کے نور سے سرفراز کرتا ہے۔

ذکرِ خفی (باطنی ذکر)

ذکرِ خفی وہ لطیف کیفیت ہے جو خاموشی کے پردوں میں چھپی ہوتی ہے، مگر اس کی تاثیر آسمانی بجلی کی مانند ہوتی ہے۔ یہ ذکر زبان کے بغیر، صرف دل کی گہرائی سے اُبھرتا ہے اور ریا، نمود اور ظاہری خول سے پاک ہوتا ہے۔ صوفیہ اسے اعلیٰ ترین ذکر شمار کرتے ہیں کیونکہ یہ باطن کو ربِ کائنات سے ہمکلام کرتا ہے۔ اس میں خامشی شور سے زیادہ بولتی ہے، اور دل کا راز دل والے تک پہنچتا ہے۔

ذکرِ قلبی

یہ ذکر دل کا سرگوشیانہ مکالمہ ہے جو خالقِ کائنات سے تعلق کو استوار کرتا ہے۔ اس میں زبان ساکت ہوتی ہے، مگر دل ''اللہ، اللہ'' کی ضربوں سے زندہ و بیدار ہوتا ہے۔ صوفی اس ذکر میں ہر سانس کے ساتھ اللہ کو یاد کرتا ہے، یہاں تک کہ وجود کا ذرہ ذرہ پکار اٹھتا ہے۔ یہ وہ کیفیت ہے جب دل صرف دھڑکتا نہیں بلکہ رب کو یاد کرتے ہوئے دھڑکتا ہے۔

اسمِ ذات کا ذکر

یہ ذکر ''اللہ'' کے اسمِ مبارک کی تکرار پر مشتمل ہے، جو تصوف کی خاص ترین منازل میں شامل ہے۔ یہ ورد مرشدِ کامل کی اجازت سے کیا جاتا ہے کیونکہ اس کی تاثیر گہری اور شدید ہوتی ہے۔ جب سالک خالص دل سے "اللہ" کا ورد کرتا ہے تو اس کے وجود میں ایک نوری انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔ یہ ذکر معرفتِ ذات کا دروازہ ہے، جو بندے کو بندگی کی گہرائیوں سے نکال کر فنا فی اللہ کے راز سے آشنا کرتا ہے۔

درود و سلام

نبی کریم ﷺ پر درود و سلام کا ذکر تصوف میں عشق کی معراج ہے۔ یہ ذکر وہ مہک ہے جو روح کو نبی ﷺ کی قربت سے معطر کرتی ہے۔ جب کوئی صوفی دل سے درود بھیجتا ہے تو وہ درحقیقت اپنے قلب میں محبتِ مصطفی ﷺ کا

چراغ روشن کرتا ہے۔ یہ ذکر نور ہے، شفاعت کی امید ہے، اور عشقِ نبوی ﷺ کا اثبات ہے۔ ہر درود کے ساتھ دل روشن اور دلدار کے قریب ہو جاتا ہے۔

مجاہدہ۔ نفس کے خلاف جہاد

تصوف کی راہ میں مجاہدہ، سالک کا وہ روحانی سفر ہے جس میں وہ اپنے نفسِ امّارہ سے نبرد آزما ہوتا ہے۔ یہ مجاہدہ محض جسمانی ریاضت نہیں، بلکہ قلب و روح کی تطہیر اور باطن کی صفائی کی ہمہ وقت کوشش ہے۔ صوفیائے کرام کے نزدیک، مجاہدہ دراصل وہ جہادِ اکبر ہے جس کا مقصد دل کو دنیاوی خواہشات، غفلت، تکبر اور ریا سے پاک کرنا ہے تاکہ بندہ اپنے خالق سے حقیقی قرب حاصل کر سکے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

"وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ"(1)

"اور جو لوگ ہمارے راستے میں مجاہدہ کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے، اور بے شک اللہ نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔"

یہ آیت صوفی کی امید اور استقامت کا سرچشمہ ہے کہ جو اللہ کے لیے اپنے نفس سے جنگ کرے، اللہ اسے اپنی طرف ہدایت کی راہیں دکھا دیتا ہے۔

مجاہدے کی اقسام۔ نفسانی غلامی سے روحانی آزادی تک

نفس کی مخالفت

نفس کی مخالفت تصوف کا پہلا قدم ہے۔ یہ اس وقت آغاز پاتی ہے جب سالک اپنی خواہشات کی پیروی سے انکار کر کے، حلال، طیب، اور متوازن راہ اختیار کرتا ہے۔ صوفی نفس کو قابو میں لانے کے لیے اپنی خواہشات کو تابعِ شریعت کر لیتا ہے۔

---

(1) العنکبوت۲۹:۶۹

عبادات کی کثرت

عبادت مجاہدے کی روح ہے۔ نماز، روزہ، ذکر، تلاوت، تہجد، اور استغفار وہ روحانی وسائل ہیں جن کے ذریعے صوفی اپنے دل کو یادِ الٰہی سے لبریز کرتا ہے۔ یہ عبادات نفس کو قابو میں لاتی ہیں اور روح کو بیدار کرتی ہیں۔ کثرتِ عبادت کے ذریعے انسان کا ظاہر و باطن نور سے روشن ہو جاتا ہے۔

قرآن میں ارشاد ہے:

"وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ"(1)

"صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو، اور بے شک یہ بھاری ہے مگر ان کے لیے جو عاجزی کرنے والے ہیں۔"

چلہ کشی و خلوت

صوفی جب دنیاوی ہنگاموں سے دل اُچاٹ کر لیتا ہے، تو خلوت میں اپنے رب سے راز و نیاز کرتا ہے۔ چلہ کشی دراصل وہ روحانی خلوت ہے جہاں سالک چالیس دن یا مقررہ مدت کے لیے دنیا سے کٹ کر اپنے رب سے قرب کا طلبگار ہوتا ہے۔ اس کا مقصد دنیا کی ظاہری کشش سے ہٹ کر باطن کو معراج تک لے جانا ہے۔

صبر و استقامت

مجاہدے کی راہ کانٹوں بھری ہوتی ہے، جہاں قدم قدم پر آزمائشیں ہیں۔ صوفی ہر تکلیف، مخالفت، اور نفس کی مزاحمت پر صبر کرتا ہے اور اللہ کی رضا پر قائم رہتا ہے۔ یہی صبر مجاہدے کو استقامت بخشتا ہے۔

قرآن میں ارشاد ہے:

"إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ"(2)

"بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔"

صبر وہ درخت ہے جس کا پھل معرفت، رضا اور نورانیت ہے۔ یہی استقامت بندے کو فنا کے بعد بقا کی منزل دکھاتی ہے۔

---

(1) البقرہ ۲:۴۵

(2) اابقرہ ۲:۱۵۳

مراقبہ(روحانی توجہ ودھیان)

مراقبہ تصوف کا ایک نہایت اہم روحانی عمل ہے، جس میں سالک اپنی تمام تر توجہ اور دھیان اللہ کی ذات کی طرف مرکوز کرتا ہے۔ یہ ایک باطنی سفر ہے، جہاں انسان اپنے دل کو ہر قسم کی دنیاوی آلائشوں سے پاک کرتا ہے تاکہ وہ اپنے خالق کی حقیقت کو جان سکے۔ مراقبہ، دراصل روحانی بیداری اور عروج کی ایک مشق ہے، جو قلب و روح کو تزکیہ دیتی ہے اور رب کی محبت میں غرق کرتی ہے۔ یہی وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے انسان اپنی محدودات سے نکل کر لامحدود حقیقت میں غرق ہو جاتا ہے۔

اقسامِ مراقبہ

مراقبہ قرب

مراقبۂ قرب ایک ایسا روحانی عمل ہے جس میں سالک اپنے دل میں یہ گہری سوچ باندھتا ہے کہ "اللہ میرے قریب ہے، اور میں اُس کی نگرانی میں ہوں۔" اس مراقبے میں انسان اپنی تنہائی میں یہ تصور کرتا ہے کہ اللہ اس کے قریب تر ہے، اس کے ہر عمل اور ہر حالت پر اللہ کی نظر ہے۔

یہ مراقبہ سالک کو اپنی عاجزی اور اللہ کی عظمت کا شعور دیتا ہے اور اس کے دل میں اللہ کی محبت اور خوف پیدا کرتا ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ"(1)

"اور ہم اس کی گردن کی شریان سے بھی زیادہ قریب ہیں۔"

یہ آیت اس بات کا اشارہ ہے کہ اللہ کی قربت ایسی ہے جسے لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں، اور مراقبۂ قرب کے ذریعے انسان اس حقیقت کو اپنے دل کی گہرائیوں میں محسوس کرتا ہے۔

مراقبۂ فنا

مراقبۂ فنا ایک انتہائی گہرا اور فنی روحانی عمل ہے، جس میں سالک اپنے وجود کو مٹا کر فقط اللہ کی ذات میں محو ہو جاتا ہے۔ اس مراقبے میں سالک اپنے آپ کو اور اس کی فردیت کو مکمل طور پر بھلا دیتا ہے، اور وہ اپنے آپ کو اس طرح

---

(1) قاف۵۰:۱۶

احساس کرتا ہے گویا اس کا وجود ختم ہو چکا ہے اور وہ صرف اللہ کی موجودگی میں ہے۔ یہ عمل انسان کو اللہ کے ساتھ مکمل انقطاع اور وحدت کی حالت میں لے آتا ہے۔ مراقبۂ فنا میں انسان اپنے نفس کی تمام خواہشات کو مٹا کر صرف اور صرف اللہ کی موجودگی اور اس کی رضا میں محو ہو جاتا ہے۔

مراقبۂ احسان

مراقبۂ احسان وہ درجہ ہے جہاں انسان اللہ کی عبادت اس طرح کرتا ہے گویا وہ اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ اس مراقبے میں عبادت کی حالت میں سالک اللہ کی مکمل حضوری کا شعور رکھتا ہے، اور اس کی ہر حرکت، ہر عمل اور ہر قول میں اللہ کی رضا کا پہلو نمایاں ہوتا ہے۔ یہ وہ حالت ہے جس میں سالک ہر لمحہ اللہ کے ساتھ اپنے تعلق کو جیتا ہے، اور ہر عمل میں اُس کا اطمینان اور سکون تلاش کرتا ہے۔

مراقبۂ احسان انسان کو اللہ کی طرف سے ایسی بصیرت عطا کرتا ہے جس سے وہ ہر لمحہ اللہ کے قریب محسوس کرتا ہے، اور اس کی عبادت میں خلوص اور صفائی پیدا ہوتی ہے۔

روحانی جستجو (سلوک)

تصوف ایک ایسا گہرا اور معنی خیز سفر ہے جسے "سلوک" کہا جاتا ہے، یعنی وہ مسلسل روحانی جستجو جو انسان کے دل کو اللہ کی طرف بڑھاتی ہے۔ یہ سفر ایک سچے سالک کا ہے جو اپنی ذات کی حقیقت اور خدا کی موجودگی کو سمجھنے کے لیے اپنے باطن کی تطہیر کرتا ہے اور روحانی ترقی کی راہوں پر قدم رکھتا ہے۔ سلوک کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو خدا کے لیے وقف کر دیتا ہے، اپنے تمام تصورات اور خواہشات کو اللہ کی رضا میں مدغم کرتا ہے، اور ہر لمحہ اپنی روح کو اللہ کے قریب لے جانے کی کوشش کرتا ہے۔

اس سفر میں سالک مرشد کامل کی رہنمائی کی روشنی میں چلتا ہے، جو اُسے روحانی میدان میں آگے بڑھنے کی طاقت اور بصیرت فراہم کرتا ہے۔ مرشد کی موجودگی میں سالک اپنی روحانی مشکلات کا حل پاتا ہے اور اپنے نفس کے کج راستوں سے نکل کر سچائی کی طرف قدم بڑھاتا ہے۔ اس سفر کا مقصد صرف اللہ کی رضا کی طلب اور اُس کی حقیقت کو جاننا ہے، اور یہ جستجو ہر حال میں جاری رہتی ہے۔

علامہ اقبالؒ نے اس سفر کی گہرائی کو یوں بیان کیا ہے:

"خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے خدا بندے سے خود پوچھے، بتا تیری رضا کیا ہے؟"[(1)]

---

(1) ڈاکٹر علامہ محمد اقبال، (۱۹۳۵)، بالِ جبریل، لاہور، دار اقبال، ۱۰۹/۱

یہ اشعار سلوک کی حقیقت کو بیان کرتے ہیں کہ انسان اپنی "خودی" یعنی اپنی روح کو اتنا بلند کرے کہ وہ اپنی تقدیر کی راہ خود متعین کرے اور اللہ سے اپنی رضا کا طلبگار رہے۔ یہ ایک ایسا سفر ہے جہاں سالک اپنے اندر کی تمام کمزوریوں کو شکست دیتا ہے، اپنے نفس کی غلامی سے آزاد ہوتا ہے، اور خدا کی رضا کی ایک ایسی بلند منزل تک پہنچتا ہے جہاں اُس کی تقدیر بھی خدا کے اختیار میں آ جاتی ہے۔ تصوف کا سلوک ایک ایسا عہد ہے جو انسان کو نہ صرف دنیاوی خواہشات سے آزاد کرتا ہے بلکہ اُسے اللہ کی قربت، معرفت اور حقیقی سکون کی راہ دکھاتا ہے۔

مرشد وسالک: رہِ سلوک کے رہنما

صوفیانہ فکر میں "مرشد" اور "سالک" دو ایسے وجود ہیں جو باطن کی دنیا میں روشنی اور جستجو کی علامت بن جاتے ہیں۔ مرشد وہ چراغِ ہدایت ہے جو تاریک راہوں میں روشنی بکھیرتا ہے، اور سالک وہ مسافر ہے جو دل کی خلوتوں میں حق کی جستجو لیے سفر کرتا ہے۔ سلوک کی یہ راہ محض علم و فہم کا راستہ نہیں، بلکہ ایک ایسا روحانی سفر ہے جو ضبط، عشق، فقر اور فنا کے مدارج سے ہو کر معرفتِ الٰہی تک پہنچتا ہے۔

مرشد، کامل صورت میں، اس راہ کا ہادی ہے۔ وہ نہ صرف ظاہر میں رہنما ہوتا ہے بلکہ باطن کی گہرائیوں میں بھی سالک کو تھامے رکھتا ہے۔ اس کا کلام محض الفاظ نہیں، دل کی زمین پر برسنے والی ایسی بارش ہوتی ہے جو روح کی پیاس بجھاتی ہے۔ اس کی نگاہ وہ آئینہ ہے جس میں سالک اپنے باطن کی اصل تصویر دیکھتا ہے۔

دوسری جانب، سالک وہ ہے جس کے اندر سچ کی چنگاری سلگ رہی ہو۔ وہ محض سیکھنے نہیں، بدلنے آیا ہوتا ہے۔ وہ اپنی انا کی قربانی دے کر فنا فی الشیخ اور بالآخر فنا فی اللہ کی منازل طے کرتا ہے۔ ہر قدم پر وہ آزمائش سے گزرتا ہے، ہر سانس میں طلبِ حق کی بو محسوس کرتا ہے۔ مرشد و سالک کا رشتہ محض ایک معلم و طالب کا نہیں بلکہ دلوں کے اتصال کا ہے۔ جب سالک اپنی ذات کے پردے چاک کرتا ہے، تب مرشد اسے ربّ کی پہچان کا آئینہ دکھاتا ہے۔ یہ تعلق نہ تو الفاظ کا محتاج ہے، نہ رسم و رواج کا پابند۔ یہ وہ نورانی رشتہ ہے جس کی جڑیں آسمانوں سے پیوستہ ہوتی ہیں۔ یوں مرشد و سالک کا تعلق دراصل اس کائناتی سفر کا آغاز ہے جس کا اختتام ذاتِ حق میں جذب ہو جانا ہے۔ یہی تصوف کا جمال ہے، یہی سلوک کا کمال۔

شیخ و مرید کا تعلق

تصوف کی دنیا میں "شیخ و مرید" کا تعلق ایک مقدس، روحانی اور نورانی رشتہ ہے جو ظاہر کی حدوں سے گزر کر باطن کی وسعتوں تک جا پہنچتا ہے۔ یہ تعلق محض ایک بزرگ اور شاگرد کا نہیں، بلکہ دل سے دل کا، روح سے روح کا اور حقیقت سے حق تک کا ربط ہے۔ شیخ، وہ مردِ کامل ہے جو معرفت کی راہوں کا شناسا ہوتا ہے، اور مرید وہ طالبِ حق ہے جو

اس کی رہنمائی میں اپنی ذات کے پردے چاک کر کے حقیقت تک پہنچنے کا خواہاں ہوتا ہے۔ شیخ، مرید کے لیے اُس قافلے کے سالار کی مانند ہوتا ہے جو ویران صحراؤں میں ستاروں کی روشنی سے راہ دکھاتا ہے۔ وہ باطن کا طبیب ہے، جو دلوں کے زخموں کا مرہم رکھتا ہے، اور روحانی اسرار کا رازداں بھی۔ اس کی صحبت، اس کی نگاہ، اور اس کی خامشی تک مرید کے لیے تعلیم و تربیت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ تصوف کی شریں روایات میں سلسلہ چشتیہ کو ایک خاص امتیاز حاصل ہے، جہاں شیخ و مرید کا رشتہ محض تربیت و تعلیم کا نہیں بلکہ روحانی فیضان کا ایک سلسلہ ہے، جو دلوں کو منور کرتا ہے اور باطن کو جلا بخشتا ہے۔ چشتیہ سلسلہ ہندوستان میں روحانیت، عشق، فقر، اور خدمتِ خلق کے جوہر لیے وارد ہوا اور یہاں کی روحانی زمین کو سیراب کر گیا۔ شیخ، چشتی روایت میں، ایک مجذوبِ کامل اور مردِ خدا ہوتا ہے جو نہ صرف علمِ ظاہر بلکہ علمِ باطن کا بھی وارث ہوتا ہے۔ اس کا کام مرید کی روحانی تربیت ہے، مگر طریقِ تربیت سختی یا جبر پر نہیں، بلکہ محبت، شفقت اور اخلاقِ حسنہ پر مبنی ہوتا ہے۔ چشتیہ روایت میں مرید کو پہلے خود کو "خالی" کرنا سکھایا جاتا ہے۔

خالی انا سے، خالی دنیا کے فریب سے، تاکہ وہ "بھر" سکے محبتِ الٰہی سے۔

روحانی تربیت

روحانی تربیت، دراصل ایک لطیف سفر ہے جو ظاہر سے باطن، جسم سے روح، اور علم سے معرفت کی طرف لے جاتا ہے۔ اس سفر میں شیخ کی حیثیت اُس چراغ کی سی ہے جو تاریک راہوں میں روشنی بکھیرتا ہے۔ اور اگر یہ چراغ سلسلہ چشتیہ کی روشنی میں جل رہا ہو، تو اس کی گرمی میں بھی ٹھنڈک اور اس کی روشنی میں بھی سکون ہوتا ہے۔ شیخ، تصوف میں محض معلم یا رہنما نہیں ہوتا؛ وہ ایک "مکمل انسان" ہوتا ہے جسے عرفان، تجربہ، اخلاص اور قربِ الٰہی کی دولت میسر ہوتی ہے۔ اُس کا کلام، اُس کی خاموشی، اُس کی نگاہ—سب تربیت کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ وہ مرید کے باطن میں چھپی حقیقت کو جگاتا ہے، اُس کے نفس کو مجاہدہ سکھاتا ہے، اور دل کو ذکر کی لذت سے آشنا کرتا ہے۔

چشتیہ سلسلہ میں تربیت کا "ہلکا رنگ" کیا ہے؟

یہ وہ تربیت ہے جو دل کو بوجھل نہیں کرتی، روح کو جکڑتی نہیں، بلکہ آزاد کرتی ہے۔ چشتیہ سلسلے میں:

شیخ مرید کے ساتھ زُہد و تقویٰ میں شریک ہوتا ہے، مگر اُس پر رُعب نہیں ڈالتا۔ ذکر و فکر کی تلقین کرتا ہے، مگر خود نمائی سے اجتناب برتتا ہے۔

مرید کو خودی سے خالی کرتا ہے، مگر اُس کے وجود کی قدر بھی سکھاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چشتیہ خانقاہیں ہمیشہ عوام کے لیے کھلی رہیں، وہاں فرقے، مذہب یا ذات کی قید نہیں تھی۔ یہ محبت اور روحانی سادگی کا ایسا ہلکا رنگ تھا، جو دلوں پر دیرپا اثر چھوڑ گیا۔

ادبِ مرشد:

ادبِ مرشد ایک ایسا نازک اور پاکیزہ جذبہ ہے جو روحانی تربیت، اخلاص، اور انکساری سے جنم لیتا ہے۔ یہ نہ صرف ایک طالبِ علم اور شیخ یا مرشد کے درمیان تعلق کو مضبوط بناتا ہے بلکہ قلبی طہارت اور باطنی ترقی کی راہیں بھی کھولتا ہے۔ادبِ مرشد کا مطلب صرف ظاہری تعظیم تک محدود نہیں ہوتا، بلکہ اس میں دل کی گہرائیوں سے اخلاص، محبت اور اطاعت شامل ہوتی ہے۔ ایک سالک (روحانی راہرو) کے لیے یہ لازم ہے کہ وہ اپنے مرشد کی بات کو فقط الفاظ نہیں بلکہ رہنمائیِ کامل سمجھے اور اس پر عمل کرے۔ ادبِ مرشد میں خاموشی بھی ایک زبان بن جاتی ہے، اور نگاہ جھکانا ایک دعا کی مانند ہو جاتا ہے۔ اس ادب کا اصل سرچشمہ عشق ہے، کیونکہ مرشد کو وہ آئینہ سمجھا جاتا ہے جس میں سالک کو اپنے نفس کی کمزوریاں اور روح کی بلندیوں کا عکس نظر آتا ہے۔ صوفیائے کرام نے فرمایا ہے کہ "جو اپنے مرشد کا ادب نہیں کرتا، وہ معرفت کی خوشبو تک نہیں پہنچتا"۔ یہی وجہ ہے کہ ادبِ مرشد کو روحانی منازل کی پہلی اور بنیادی شرط قرار دیا گیا ہے۔

ادبِ مرشد سلسلہ چشتیہ میں:

ادبِ مرشد، سلسلۂ چشتیہ کی روحانی میراث کا وہ لطیف پہلو ہے جس پر سلوک و معرفت کی بنیاد استوار ہوتی ہے۔
یہی وہ باطنی التزام ہے جو سالک کے قلبِ مضطرب کو سکونِ جاودانی عطا کرتا ہے۔ چشتی مشائخ کے نزدیک مرشد کا مقام محض معلّم کا نہیں، بلکہ مظہرِ نورِ الٰہی کا حامل ہے۔

ادبِ مرشد دراصل تسلیم و رضا کی وہ کیفیت ہے جو عقل کو سجدہ کروا کر عشق کے حرم میں داخل کرتی ہے۔ جس دل میں مرشد کی توقیر نہ ہو، وہاں فتوحاتِ باطنی کے در وا نہیں ہوتے۔ مرشد کی نگاہِ کرم، سالک کو اسفل السافلین سے نکال کر اوجِ کمال تک پہنچا دیتی ہے۔ادب کی ادنیٰ لغزش بھی سلوک کی راہوں میں زوال کا پیش خیمہ بن سکتی ہے۔ سلسلۂ چشتیہ کے اکابر نے اپنے احوال و اقوال سے ثابت کیا کہ مرشد کا احترام، اطاعت سے زیادہ اہم اور معرفت سے مقدم ہے۔

فنا سے بقا تک: خدا شناسی کی واردات:

ابتدا میں وہ تھا۔ ایک خاکسترِ نفس، تمناؤں کا اسیر، جہل کے اندھیروں میں بھٹکتا ہوا۔ پھر ایک روشنی نمودار ہوئی، جو کسی درویش کی آنکھوں میں جھلک رہی تھی۔ وہ شیخ تھا۔ صاحبِ نظر، آئینۂ ذات۔ میں نے اپنی انا کو اس کی چوکھٹ پر رکھا، اور خاموشی سے اُس کی رضا میں خود کو گم کیا۔ میری زبان اُس کی خامشی بن گئی، میرا وجود اُس کی رضا۔ یہ فنا فی الشیخ تھا—— جہاں میری ذات، میرے پیر کے سائے میں مٹ گئی۔

پھر اُس نے مجھے اُس عظیم ہستی کے دربار تک پہنچایا، جن کے نقشِ قدم زمان و مکان سے ماورا تھے۔ میں نے اپنے دل کو اُس نور کے سپرد کر دیا جو رحمۃللعالمین تھا۔ میرے اندر کا ہر خروش، اُس کی سنت کی گونج بن گیا؛ ہر سَمت محمدی خوشبو سے معطر ہو گئی۔ یہ فنا فی الرسول تھا—۔ جہاں میرے وجود نے اُس نورِ کامل کے جلو میں پناہ لی۔ آخر وہ لمحہ بھی آیا، جب لفظ بھی فنا ہو گئے، اور مفہوم بھی۔ نہ میں رہا، نہ میرا کوئی حوالہ۔ صرف ایک حقیقت، ایک وجود۔ جسے نہ زبان بیان کر سکتی ہے، نہ عقل۔ یہ فنا فی اللہ تھا۔ نیستی کا وہ سمندر جس میں قطرہ اپنی اصل کو پا گیا، اور بحرِ حق میں تحلیل ہو کر بقا پا گیا۔

خلاصۃ البحث

ہر سفر کی ابتدا ادراک سے ہوتی ہے، اور ہر ادراک کی معراج خود شناسی ہے۔ انسان، جب خاک سے اٹھ کر افلاک کی طرف نظریں اٹھاتا ہے، تب اُس کے باطن میں ایک سرگوشی گونجتی ہے— من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ یہ سرگوشی در حقیقت ایک دعوت ہے:

اپنی نفی کی وادی میں اترنے کی، اپنی انا کے بتوں کو پاش پاش کر دینے کی، اور شعور کی اُس پر ہول وسعت میں قدم رکھنے کی جہاں ذات و صفات کے بھید کھلتے ہیں۔ یہاں انسان اپنی فطرتِ مکتومہ، یعنی حقیقتِ نفس کو پہچان کر اس خاکی پیکر میں جلوۂ ربانی کی طلب کا بیج بوتا ہے۔ پھر جب دل کی زمین بیدار ہو جائے، تب راہِ تصوف کی ہوائیں چلنے لگتی ہیں۔ تصوف کوئی خوش لباسی یا محض ذکر کا ورد نہیں، بلکہ ایک مسلسل جلنا، پگھلنا اور نکھرنا ہے۔ یہ راہ، دل کی نہاں گزرگاہوں میں ایک ایسی روحانی جستجو ہے جس میں سالک، مجاہدہ و مراقبہ کے چراغ لے کر اپنی تاریک غاروں کو روشن کرتا ہے۔ اذکار کی تکرار دراصل دل کی دریابندی ہے، جہاں ہر "اللہ" کی ضرب، دل پر ایسی دستک دیتی ہے جو آہستہ آہستہ دروازۂ قربِ الٰہی پر جا کھلتی ہے۔

لیکن اس راہ میں روشنی صرف اندر سے نہیں پھوٹتی، مرشد کی نگاہ بھی از بس ضروری ہے۔ وہی مرشد جو سالک کو آئینہ دکھاتا ہے، جو اس کی خامشی میں کلام سنتا ہے، اور جس کی مجلس میں وقت رُک سا جاتا ہے۔ شیخ و مرید کا تعلق، ایک روحانی شجر کے سایے تلے بیعت کی چھاؤں جیسا ہے۔ جہاں ادبِ مرشد کے بغیر معرفت کا کوئی پھول نہیں کھِلتا۔ سالک، مرشد کے فیض سے نہ صرف اپنی خاک کو زر بناتا ہے، بلکہ اس فیضانِ صحبت سے سلوک کی منزلیں سہل ہو جاتی ہیں۔ یہی صحبت اُسے فنا کے مختلف مدارج تک لے جاتی ہے۔ پہلے فنا فی الشیخ۔ کہ جہاں سالک، مرشد کی رضا میں اپنے افکار و ارادہ کو تحلیل کرتا ہے؛ پھر فنا فی الرسول۔

کہ جہاں اُس کا وجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں جذب ہو جاتا ہے، اور آخر کار فنا فی اللہ۔ کہ جہاں نفیِ ہستی کی موجیں اُسے مکمل استغراق کی گہرائی میں لے جاتی ہیں۔ یہاں سالک کی "میں" ربِ قدیر کے "ہُو" میں

گم ہو جاتی ہے۔ فنا، محض نیستی نہیں بلکہ اُس اعلیٰ بقا کا پیش خیمہ ہے جس میں سالک کو بقا باللہ کی دائمی روشنی نصیب ہوتی ہے ۔یہی معرفتِ الٰہی کا مقام ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆